اپنی تربیت کیسے کریں؟
خرم مرادؒ
منشورات

کتاب	:	اپنی تربیت کیسے کریں؟
مصنف	:	خرم مراد
طبع اول	:	اگست ۱۹۹۸
تعداد	:	۳۰۰۰
ناشر	:	منشورات، منصورہ، لاہور

قیمت	:	۵۰/۷ روپے
فی سیکڑہ	:	۵۰۰ روپے

ترتیب

۳- اپنا ارادہ اور عمل شرط ہے

دیباچہ

اپنی تربیت کیسے کریں؟

یہ ہماری زندگی کا انتہائی اہم سوال ہے۔ اتنا اہم کہ ساری زندگی کی ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اسی سوال پر ہے۔ یہ سوال زندگی بھر درپیش رہتا ہے' کیونکہ تربیت کی جستجو آخر دم تک کی جستجو ہے۔ یہ بڑا پریشان کن سوال بھی ہے۔ بار بار پریشان کرتا ہے' اور نئے نئے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں' پرانی ناکامیوں سے کسی طرح پیچھا چھوٹنے نہیں پاتا' کہ نئی ناکامیاں دامن گیر ہو جاتی ہیں۔ آرزوئے دل اور محبوب نظر کی جستجو میں نکلتے ہی قدم قدم پر رکاوٹیں سامنے آتی ہیں۔

ارادے کرتے ہیں' عزم کرتے ہیں' مگر پہلا قدم اٹھاتے ہی معلوم ہوتا ہے کہ عزم و ارادے سے زیادہ کمزور کوئی چیز ہی نہیں۔ پختہ عہد و پیمان باندھتے ہیں' لیکن دو چار قدم چلتے ہی سب ٹوٹ جاتے ہیں۔ لمبے چوڑے منصوبے بناتے ہیں' سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ خواہشات کے جھکڑ چلتے ہیں' سب کچھ اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ جذبات کا طوفان اٹھتا ہے' سب کچھ غرق کر دیتا ہے۔ علم کی کمی نہیں ہوتی' خوب معلوم ہوتا ہے کہ کیا چیز نیکی ہے اور کیا چیز بدی' لیکن فیصلہ کن وقت آتا ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہے' نیکی ایک طرف رکھ دیتے ہیں' اور برائی میں پڑ جاتے ہیں۔ توبہ استغفار کرتے ہیں' پھر وہی گناہ دوبارہ کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں۔

ایسے میں مایوسی کے تاریک سائے ڈیرے ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہمت جواب دینے لگتی ہے۔ حوصلے پست ہونے لگتے ہیں۔ بہانوں اور عذرات کا سہارا ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔ کوشش اور عمل کی باگ ہاتھ سے چھوٹنے لگتی ہے۔

پھر دل بے معنی چیزوں کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔

"کوئی نسخہ ایسا ہو کہ ارادے اور عزم میں کبھی کمزوری نہ آئے' دنیا کی محبت دل سے نکل جائے' ایک دفعہ توبہ کرلیں تو گناہ دوبارہ سرزد نہ ہو"۔ حالانکہ ایسا نسخہ تو فرشتوں کی فطرت میں ودیعت ہے' پھر انسان کی کیا ضرورت تھی۔ یا کوئی ایسا مرد کامل مل جائے جو ہاتھ پکڑے اور بیڑا پار کرا دے۔ کسی کی توجہ' کسی کی نظر' کسی کی دعا ایسی ہو کہ کوشش اور مجاہدے کے بغیر ہی تربیت ہو جائے۔ لیکن سوچنے والے یہ بات نہیں سوچتے کہ ایسے مرد کامل تو انبیا علیہم السلام بھی نہ تھے۔ پھر جب ان تمام چیزوں میں ناکامی ہوتی ہے (کیونکہ ایسی امیدیں باندھنے کا نتیجہ ناکامی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے) تو ہم اپنی حالت پر قناعت کر کے بیٹھ جاتے ہیں' اس کے عفو و کرم سے امید لگا لیتے ہیں' تربیت کے سارے عزائم اور منصوبے ــــ جو اکثر خواہشات سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتے ــــ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ پھر کسی اور طرف بھی نکل جاتے ہیں بلکہ الٹے پاؤں واپس بھی پھر جاتے ہیں۔

ان مسائل اور کیفیات و واردات کی وجوہ مختلف ہوتی ہیں۔ کہیں تربیت اور تعمیر سیرت کے تصورات و مفہوم کے بارے میں غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ کہیں ان کے بارے میں غلط توقعات اور ناقابل حصول معیارات ہوتے ہیں۔ کہیں صحیح طریقوں کا علم نہیں ہوتا۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کہاں سے شروع کریں اور کیسے آگے بڑھیں۔ کہیں کمزوریوں اور برائیوں کے سرچشموں سے غفلت ہوتی ہے۔ کہیں شدت اور زیادتی ہوتی ہے۔ کہیں گمراہ کن محرکات کا نل کھلا رہتا ہے' اور ہم فرش خشک کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

اس طرح ہمیں بار بار ایسا لگنے لگتا ہے کہ تربیت سے زیادہ دشوار اور مشکل کوئی دوسرا کام ہے ہی نہیں' بلکہ شاید تربیت کرنا ہمارے بس میں ہی نہیں۔

اپنی تربیت کیسے کریں؟ میں' میں نے اسی انتہائی اہم اور پریشان کن سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ جو کام انتہائی دشوار اور ناممکن سا لگتا ہے' اس کی یہ حقیقت کھل جائے کہ وہ بڑا آسان کام ہے اور اسے بڑا آسان ہونا ہی چاہیے تھا۔ اور جو کام ہم محض خواہش اور تمنا سے کرنا چاہتے ہیں' اس کے بارے میں یہ

یقین بھی حاصل ہو جائے کہ وہ کام ارادے اور عملی کوشش کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ ایسی عملی کوشش جو سادا بھی ہے، آسان بھی اور بالکل آپ کے بس اور اختیار میں بھی۔

تربیت، اپنی زندگی کی باگ ڈور اور چارج خود سنبھال کر، خود ہی کرنے سے ہوتی ہے۔ یہ محض کتابیں پڑھنے، درس اور وعظ سننے، کورس اور پروگرام میں شریک ہونے، اور بزرگوں کی صحبتوں میں بیٹھنے سے بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ فطرت کا اصول ہے کہ کوئی دوسرا وہ کام ہرگز نہیں کر سکتا، جو آپ کے کرنے کا ہے۔ تربیت، اللہ کی توفیق اور رہنمائی کے بغیر تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ لیکن اللہ کی یہ توفیق اور یہ دست گیری اپنے کرنے ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ (الرعد ۱۳:۲۷) وہ اپنی طرف اسی کو چلاتا ہے جو اس کی طرف رخ کرتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ (محمد ۴۷:۱۷) وہ لوگ جو راہ پر آتے ہیں، انھیں اللہ اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انھیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا کرتا ہے۔

یہ کتاب بھی آپ کو اپنے کرنے کی ذمہ داری سے فارغ نہیں کرے گی۔ جو کام خود آپ کے کرنے کا ہے، وہ یہ کتاب نہیں کرے گی۔ اس میں کوئی "کھل جا سم سم" کا نسخہ نہیں، جو پڑھتے ہی تزکیہ و تربیت کے خزانوں کے دروازے آپ کے لیے کھول دے گا۔ اس میں کوئی طلسماتی چھڑی بھی نہیں کہ اس کو ہلاتے ہی آپ کی خود بخود ماہیت قلب ہو جائے گی۔ لیکن ہماری کوشش یہ ہو گی کہ تربیت و تزکیے کی اور تعمیر سیرت کی صاف، سیدھی اور آسان شاہراہ آپ کے سامنے کھل جائے۔ وہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں، جو غلط راہوں پر لے جاتی ہیں، یا مایوسی میں مبتلا کرتی ہیں۔

کوئی کتاب زندگی بھر کی جستجو کے ہر پہلو کا احاطہ نہیں کر سکتی، نہ ہر سوال کا جواب اور ہر مشکل کا حل فراہم کر سکتی ہے۔ لیکن ہماری کوشش ہو گی کہ آپ کے ہاتھ میں بنیادی امور پر مشتمل ایک مختصر سا دستور العمل آ جائے، اور وہ بنیادی خطوط اور کنجیاں بھی آ جائیں جن کی روشنی میں آپ خود، اللہ کی توفیق سے، اپنی راہ بنا سکیں، بند دروازے کھول سکیں، سوالات کے جواب اپنے دل سے پوچھ سکیں، اور اپنی مشکلات خود حل کر سکیں۔ ساتھ میں یہ صرف آپ کے علم میں اضافہ ہی نہ کرے، بلکہ کسی نہ کسی درجے میں اس

علم کے مطابق عمل کرنے کا جذبہ' ولولہ' شوق قوت اور صلاحیت بھی پیدا کرے۔

وبید اللہ التوفیق' وھو المستعان۔

اللہ تعالیٰ سے دعا اور امید ہے کہ ــــ وہ اس کتاب کو قارئین کے لیے معاون و مددگار بنائے' اور اس راستے پر۔ الیسریٰ پر ــــ چلنے کو آسان کردے' جو نیکی اور تقویٰ کا راستہ ہے' جہاد اور غلبہ دین کا راستہ ہے' مغفرت اور جنت کا راستہ ہے' قرب الٰہی اور رضوان من اللہ کا راستہ ہے۔

لیسٹر (برطانیہ) ' نومبر ۱۹۹۶ — خرم مراد

۱

تربیت کا مفہوم و مقصود

تربیت، زندگی کے لیے انتہائی اہم اور ناگزیر چیز ہے۔ تربیت ہر دل کی آرزو ہے، ہر دل کو محبوب ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

اہمیت اور محبوبیت کیوں؟

زندگی کی ساری تگ و دو محبوب مقاصد کے حصول میں کامیابی کے لیے ہوتی ہے۔ زندگی میں سارا رنگ اور مزا انھی محبوب مقاصد کے حصول کے دم سے ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ مقاصد کیا ہیں۔ وہ اعلیٰ بھی ہو سکتے ہیں اور ادنیٰ بھی، وسیع بھی ہو سکتے ہیں اور محدود بھی، مادی بھی ہو سکتے ہیں اور روحانی بھی، انفرادی بھی ہو سکتے ہیں اور اجتماعی بھی، اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ جیسے مقاصد، ویسی تربیت۔

اس سے بھی بحث نہیں کہ ایک انسان نے جن مقاصد کو محبوب بنایا ہے، اور جن کے حصول میں کامیابی کو محبوب بنایا ہے اور جن کے لیے وہ کوشاں ہے، وہ اس لائق بھی ہیں یا نہیں کہ ان کو مقصود و محبوب بنایا جائے۔ تم کو تو انسانی فطرت کی یہ حقیقت یاد رکھنا چاہیے کہ جو بھی مقاصد ہوں، جب وہ محبوب ہو جاتے ہیں تو ان کے حصول میں کامیابی بھی محبوب ہو جاتی ہے۔

کامیابی کے لیے ہی قرآن مجید نے مختلف مقامات پر فوز اور فلاح کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک دفعہ تم نے انسانی فطرت اور تگ و دو میں کامیابی یا فوز اور فلاح کا مقام جان لیا،

تو تمہارے اوپر قرآن کے ان تمام مقامات کے معانی کھل جائیں گے جن کا مرکز، حقیقی فوز اور فلاح کی طرف دعوت اور رہنمائی ہے۔

جب کوئی مقصد محبوب ہوتا ہے، تو اس مقصد میں کامیابی کے لیے تم وہ سارے ذرائع اور وسائل جمع کرتے ہو اور لگاتے ہو جو اس کامیابی کے لیے درکار ہوں، ان ذرائع و وسائل کو تم نشوونما دے کر، تراش خراش کر اس لائق بھی بناتے ہو کہ وہ کامیابی کے حصول میں پوری طرح مددگار و معاون ہوں اور تم وہ ساری جدوجہد اور کوشش بھی کرتے ہو جو کامیابی کے لیے درکار ہو۔

اب یہاں ایک بات یہ اچھی طرح جان لو کہ اگر کسی چیز کے مقصد ہونے کا تمہیں دعویٰ ہے تو وہ تمہیں کتنا محبوب ہے؟ اس کی کسوٹی نہ تمہاری زبان سے اعلان ہے نہ تمہارے قلم سے، بلکہ اس کی کسوٹی تو صرف یہ ہے کہ تم اس مقصد میں کامیابی کے لیے درکار ذرائع اور وسائل جمع کرتے ہو یا نہیں، اور کامیابی کے حصول کے لیے بھرپور جدوجہد، کوشش اور کاوش کرتے ہو یا نہیں۔

دوسری بات یہ بھی اچھی طرح جان لو کہ جب مقصد واضح ہو اور واقعی محبوب ہو تو وہ خود ہی اپنے حصول کے لیے راہ نما اور استاد کا کام بھی کرتا ہے، وہ خود ہی منارہ نور اور قطب نما بھی بن جاتا ہے۔ بلکہ بعض حالات میں تو وہ ان وظائف کے لیے کافی ہوتا ہے، اور کسی اور ذریعہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یعنی مقصد ہی بتا دیتا ہے کہ اس کے حصول کے لیے کیا وسائل و ذرائع درکار ہیں، ان کو کیا اور کس طرح نشوونما دینا ہے۔ وہ نشانات راہ بھی متعین کرتا ہے، راہیں بھی کھولتا ہے، طریقے بھی بتاتا ہے اور سمت بھی صحیح رکھتا ہے۔

وسائل و ذرائع کیا درکار ہیں، اور ان کو نشوونما دے کر کیا بنانا ہے کہ وہ مفید مطلب ہوں، اس کا سارا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ مقصد کیا ہے۔ اگر تمہیں سپاہی بننا ہے تو کتاب قلم نہیں، ہتھیار درکار ہوں گے۔ اگر عالم بننا ہے تو کتاب قلم کی ضرورت ہو گی۔

لیکن ایک چیز جس کی تمہیں ہر مقصد کے حصول کے لیے ضرورت ہو گی، وہ تمہاری اپنی شخصیت ہے۔ "شخصیت" کا لفظ ہم وسیع معنوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ تمہارا جسم،

تمہاری عقل، تمہاری معنوی صلاحیتیں، تمہارا دل، تمہارے جذبات، تمہارا کردار، تمہارے اخلاق، غرض ہر چیز شخصیت میں شامل ہے۔ اپنی شخصیت کو نشوونما دے کر اس بات کا اہل بنانا کہ وہ اپنا محبوب مقصد حاصل کر لے، اسی کا نام تربیت ہے۔

مقصد کے حصول میں کامیابی کے لیے جو کچھ بننا ہمارے لیے ضروری ہے، یا جو کچھ ہم بننا چاہیں، وہ تربیت کے بغیر نہیں بن سکتے۔ اسی طرح جو محبوب مقصد ہم حاصل کرنا چاہیں، وہ ہم اس وقت تک صحیح طور پر یا مکمل طور پر حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اس کے لیے ہم خاطر خواہ تربیت حاصل نہ کر لیں، یا ہمیں حاصل نہ ہو جائے۔

یہ تربیت ہم منظم و مرتب کوشش سے بھی حاصل کرتے ہیں، اور بغیر منظم کوشش کے بھی۔ اسی طرح شعوری طور پر بھی اور غیر شعوری طور پر بھی تربیت حاصل ہوتی ہے۔

ایک تربیت وہ ہے جو ہمارے جسمانی وجود کی تربیت ہے، ہمارے جسم کی، جسم میں بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کی، خصوصاً سوچنے سمجھنے، دیکھنے، سننے (سمع، بصر اور فواد) اور عمل کرنے کی استعداد کی تربیت۔ اگرچہ اس کا بھی ایک حصہ اور ایک درجہ اپنے ارادے اور کوشش سے حاصل ہوتا ہے، مگر ہم خود کریں یا نہ کریں، چاہیں یا نہ چاہیں، یہ تربیت بڑی حد تک بہ ظاہر خود بخود ہوتی رہتی ہے، لیکن صرف بہ ظاہر۔ کیونکہ در حقیقت یہ ہمارے رب اور مربی کا دست قدرت و رحمت ہے، جو ہماری یہ تربیت کرتا ہے۔ ہماری پیدائش کا عمل شروع ہوتے ہی یہ تربیت شروع ہو جاتی ہے، اور عمر بھر جاری رہتی ہے۔ یہ تربیت نہ ہو تو ہمارا وجود، وجود میں ہی نہیں آ سکتا، اور آ جائے تو ایک بامعنی وجود نہیں بن سکتا۔

دوسری تربیت وہ ہے، جو ہمارے معنوی وجود کی تربیت ہے۔ ہمارے دل و دماغ کی، ہمارے علم و فکر کی، ہمارے جذبات و احساسات کی، ہمارے اعمال و اخلاق کی اور ہمارے کردار اور سیرت کی تربیت ہے۔ اس تربیت کا ایک حصہ ہمیں پیدائشی طور پر ملتا ہے، ایک حصہ اپنے ماحول سے بھی ملتا ہے، لیکن فی الجملہ یہ تربیت ہمارے ارادے اور کوشش سے، اور خود ہمارے کچھ کرنے سے ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو ہمارے ارادے اور کوشش کی حیثیت صرف شرائط کی ہے، ورنہ در حقیقت یہاں بھی ہمارا مربی، ہمارا رب تعالیٰ ہی ہیں،

جس کی توفیق اور دست گیری کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

آخر' اللہ کی پیدا کردہ اس کائنات میں کوئی چیز بھی ان کی مشیت اور تدبیر کے بغیر' خود بخود یا صرف کسی غیراللہ کے کرنے سے کیسے ہو سکتی ہے؟ اس تربیت سے زیادہ اہم اور ضروری چیز ہمارے لیے اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس کے نتیجے میں ہمیں عقلی' علمی' معنوی' جسمانی اور پیشہ ورانہ صلاحیتیں اور مہارتیں حاصل ہوتی ہیں' جن سے ہم دنیا کے بڑے بڑے کام انجام دیتے ہیں۔ اسی سے ہمیں نیک سیرت' بلند و پختہ کردار اور پاکیزہ اخلاق کی بیش بہا نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ پاک سیرت' مضبوط کردار اور حسن اخلاق دنیا کی سب سے خوب صورت چیزیں ہیں' سب سے زیادہ محبوب اور عزیز ہیں' سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ دنیا میں محبوب اور عزیز ہیں' سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ دنیا میں حقیقی محبوبیت بھی عموماً انھی کے ذریعے ملتی ہے۔ مگر آخرت میں تو اپنے رب اور مربی کے نزدیک مقبولیت اور محبوبیت اور اس کی قربت اور جنت' صرف اسی تربیت کے ذریعے نصیب ہو سکتی ہے۔ ان نعمتوں سے بڑھ کر اور کیا چیز محبوب ہو سکتی ہے۔ پھر تربیت ہمارے دل کی آرزو اور ہمارے دل کو محبوب کیوں نہ ہو' کہ ان محبوب مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اسی لیے دنیا و آخرت کی فلاح کو تزکیہ و تربیت پر منحصر کر دیا ہے۔ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ ۸۷:۱۴) بے شک فلاح پا گیا جس نے بہ اہتمام اپنا تزکیہ آپ کیا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس ۹۱:۹) بے شک فلاح پا گیا جس نے مسلسل تدریج کے ساتھ اپنی شخصیت کا تزکیہ کیا۔ جنت کے سدا بہار باغ' نہریں اور بلند درجات اسی کے لیے ہیں "جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے"۔ (طٰہٰ ۲۰:۷۶)

تربیت کا مقصود' جنت

ہماری نگاہ و دل کے لیے کون سا مقصد سب سے بڑھ کر محبوب ہونا چاہیے' کہ جس کے حصول میں کامیابی پر ہماری اپنی تربیت کی ساری کوشش مرکوز ہو؟

پہلے ہی قدم پر یہ فیصلہ کرنا اس لیے اہم اور ضروری ہے' کہ جیسا مقصد ہو گا اس کے

حصول میں کامیابی کے تقاضوں کے مطابق ویسی ہی اپنی شخصیت ہمیں بنانا ہو گی اور اسی کے مطابق طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ اگر کسی کا مقصد حصول علم ہے، تو کامیابی کے لیے وہ درس گاہوں میں جائے گا، اہل علم سے علم حاصل کرے گا، کتاب و قلم سے رشتہ جوڑے گا، تجزیہ اور اظہار و بیان کی قدرت حاصل کرے گا۔ اگر کسی کا مقصد روحانی ترقی ہے، تو وہ کامیابی کے لیے خانقاہوں اور مشائخ کا رخ کرے گا، مجاہدہ و ریاضت کرے گا، ذکر و مراقبے سے شغل رکھے گا۔ اگر اسے جنگ لڑ کر جیتنا ہے، تو وہ کتاب و قلم اور ذکر و نفس کشی چھوڑ کر اسلحہ کا استعمال سیکھے گا اور قوت فراہم کرے گا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ہماری زندگی کا سب سے محبوب مقصد، موت کے بعد ہمیشہ کی زندگی میں جنت اور اللہ کی رضا و خوشنودی کا حاصل کرنا ہے۔ اللہ کے غضب اور اس کی آگ سے بچنا، رضائے الٰہی کے مقصد کی دوسری تعبیر ہے۔ آگ سے بچائے جائیں گے، اللہ کے غضب سے بچیں گے، جنت میں داخل ہوں گے اور رضائے الٰہی نصیب ہو گی۔ رضائے الٰہی جنت سے زیادہ بڑی چیز ہے، وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (توبہ ۹:۷۲) لیکن دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جنت کی آرزو، رضائے الٰہی کی طلب ہی کا تقاضا ہے۔ اللہ راضی ہو گا تو وہ آگ سے بچائے گا اور جنت میں داخل کر کے اپنی رضا پر سرفراز کرے گا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ "ہمیں صرف اللہ کی رضا چاہیے، ہمیں جنت سے کوئی سروکار نہیں" وہ لوگ رضائے الٰہی کے مفہوم سے واقف نہیں۔ دیکھو، ایک جگہ کہا گیا ہے کہ "وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں"۔ (البقرہ ۲:۲۰۷)، اور دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ "اللہ نے مومنین سے ان کے جان و مال خرید لیے ہیں، اس عوض میں کہ ان کو جنت ملے گی"۔ (التوبہ ۹:۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے یہ بات کھول کر، تاکید کے ساتھ بار بار ہمارے سامنے رکھ دی ہے کہ زندگی کی ساری تگ و دو کا مقصد اصل زندگی، باقی رہنے والی زندگی، موت کے بعد کی زندگی میں جنت کے حصول میں کامیابی ہونا چاہیے۔ یہاں کی یا وہاں کی زندگیوں میں سے ایک کو منتخب کر لو:

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ (الحدید ۵۷:۲۰)

اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔

دنیا کی جس چیز کو بھی محبوب و مطلوب بناؤ گے' وہ دھوکے کا پردہ ہے' اور محض نظر کا فریب ہے۔ اس لیے کہ آخری سانس نکلتے ہی وہ ساتھ چھوڑ جائے گی۔ اس زمین پر ہر چیز ہی فنا اور ختم ہو جانے والی ہے۔ باقی رہنے والی چیز صرف اللہ جلیل و کریم کی ذات اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی یہ تمام چمکتی دمکتی چیزیں' چاند سورج کی طرح ڈوبنے والی ہیں۔ ان کو زندگی کا محبوب بنایا تو ان کے ساتھ ساری زندگی کی دوڑ دھوپ اور ساری شخصیت بھی ڈوب جائے گی۔ اس لیے فرمایا:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحدید ۵۷:۲۱)

دوڑو' اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو' اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا: سَارِعُوْٓا (آل عمران ۳: ۱۳۳) دوڑ کر چلو جنت کی راہ پر' تم کو زندگی بھر جنت کی طرف ہی دوڑ لگانا ہے —— نہ ادھر دیکھنا' نہ ادھر دیکھنا' نہ ٹھیرنا' نہ ستانا —— مطلب یہ کہ ساری تربیت اس دوڑ کو جیتنے کے لیے ہی ہونا چاہیے۔

زندگی میں رنگ اور مزا' مقاصد میں کامیابی کے دم سے ہے۔ سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ تم جنت میں پہنچ جاؤ:

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ (آل عمران ۳:۱۸۵)

اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔

کامیابی بھی کیسی کامیابی! بہت بڑی کامیابی (الفوز الکبیر)' نمایاں کامیابی' (الفوز المبین)' عظیم الشان کامیابی (الفوز العظیم)! سولہ مقام پر اللہ تعالیٰ جنت میں داخلے اور

وہاں کی نعمتوں کا بیان کر کے فرماتے ہیں: وذالک الفوز العظیم: ایک سو سے زیادہ مقامات پر جنت کی نعمتوں کو بیان کیا ہے۔ بعض جگہ تو ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان کا لالچ دیا ہے۔ انھی کو حاصل کرنے میں کامیابی کو زندگی بھر کا مقصود و مطلوب بنانے کی ترغیب دی ہے۔ کہا ہے کہ لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (الصافات ۳۷:۶۱)' یقیناً یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی کے لیے کام کرنے والوں کو کام کرنا چاہیے۔

اور فرمایا ہے:

وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطففین ۸۳:۲۶)

جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں' وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔

اس طرح شوق اور ولولہ پیدا کیا ہے' امنگ اور آرزو ڈالی ہے اور کارنامہ زندگی کے اختتام پر اسی انجام کو دل و نگاہ کا محبوب بنایا ہے:

یٰٓاَيَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ - ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً - فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ - وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (الفجر ۸۹:۲۷-۳۰)

اے نفس مطمئن' چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنی کامیابی سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں' اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

یک سوئی کا فیصلہ

تربیت کی راہ میں پہلا قدم یہی ہے کہ تم جنت کے بارے میں یکسو ہو جاؤ' اور فیصلہ کر لو کہ یہی مقصود زندگی ہے' اسی کے حصول میں کامیابی مطلوب ہے۔ ساری تربیت کا مقصود یہی کامیابی حاصل کرنے کے لائق بننا ہے۔

یکسوئی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی بات بہت اہم ہے۔ یہ زندگی بھر کا فیصلہ ہے۔ اسے ایک دفعہ سوچ سمجھ کر کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ بعد میں بار بار دہرانا بھی ضروری ہے۔ تم دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر کہیں بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ہمیشہ ڈگمگاتے اور لڑکھڑاتے رہو

گے۔ ساحل ہاتھ نہ آئے گا۔ بدقسمتی سے آج ہمارے تربیت کے اکثر مسائل اس دوغلے پن کی وجہ سے ہیں۔ تم ایک دفعہ جست لگا کر جنت کی کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ ذہنی، قلبی اور نفسیاتی طور پر مکمل یکسوئی کے ساتھ، عملاً پہلا قدم راہ پر رکھ دو۔ پھر دیکھو کیا کیا نہیں ہو سکتا۔

اس مقصد کے لیے مفید ہو گا اگر تم وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو، اپنی بساط بھر پورے خشوع و خضوع سے پڑھو۔ پھر دوزخ کے سارے عذاب اور جنت کی ساری نعمتیں یاد کرو، اور اس وقت کا تصور کرو جب ملک الموت آ کر کہے گا کہ "وقت ختم، اب میرے ساتھ چلو"۔ اور اس وقت کا بھی تصور کرو، جب اللہ کے روبرو کھڑے ہو گے اور زندگی بھر کا فیصلہ ہو رہا ہو گا۔ اور بس پھر فیصلہ کر لو کہ مجھے اپنی بساط بھر جنت کے لیے پوری پوری کوشش کرنا ہے۔ پھر اللہ سے رو کر، گڑگڑا کر، دعا کرو۔ اس کے بعد جب اور جتنی بار چاہو، مانگتے رہو۔ اور جن الفاظ میں چاہو مانگو:

اللھم انی اسئلک الجنۃ، وما قرب الیھا من قول او عمل، واعوذ بک من النار، وما قرب الیھا من قول او عمل (ابن ماجہ)

اے اللہ، میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں، اور ہر اس قول اور عمل سے جو مجھے آگ سے قریب کرے۔

اللھم انی اسئلک ایمانا لا یرتد، ونعیما لا ینفد، وقرۃ لا تنقطع ورافقۃ نبیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی اعلی جنات الخلد (ابن ابی شیبہ)

اے اللہ میں تجھ سے ایمان مانگتا ہوں جو کبھی نہ چھینا جائے، اور وہ نعمت جو کبھی نہ مٹے، وہ لذت جو کبھی نہ ختم ہو، اور ہمیشہ کی جنت کے بلند ترین درجات میں، میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہوں۔

عادات و اعمال کی اصلاح و تعمیر اور سیرت و کردار کی تعمیر، زندگی بھر کا کام ہے، جو بتدریج ہو گا۔ ہوتا رہے گا۔ لیکن کسی چیز سے محبت ہو جانا، اس کی طلب پیدا ہو جانا، اس کو حاصل کرنے کے لیے تڑپ اٹھنا، اور اس میں لگ جانا، یہ لمحہ بھر کا کام ہے۔ محبت پہلی

نظر میں بھی ہو جاتی ہے۔ طمع و خواہش کے غالب آتے ہی آدمی جست لگا لیتا ہے۔

برکات و ثمرات

یہ فیصلہ ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ اسی سے ہی تمہاری تربیت کے نقوش و خطوط' طریقے اور تدابیر کا تعین ہو گا۔

یہی تمہارے لیے کسوٹی کا کام کرے گا۔ کیا بات کرو' کیا نہ کرو' کس طرح کرو' کیا کام کرو' کیا نہ کرو' کیا صفت پیدا کرو' کیا نکالنے کی کوشش کرو وغیرہ۔ یہ فیصلہ اس طرح کرو کہ کیا چیز جنت کے قریب لے جائے گی اور کیا چیز اس سے دور اور جہنم سے قریب۔ کیا چیز اللہ کو خوش کرے گی' اور کیا چیز اسے ناراض۔ قانونی مسائل کے صحیح علم میں مشکل پیش آ سکتی ہے۔ یہ باتیں تو سب کو معلوم ہیں۔ چنانچہ' جیسا ہم نے کہا' یہ فیصلہ تمہارا سب سے بڑا رہنما اور معلم بن جائے گا۔

یہ فیصلہ تمہیں وہ ساری قوت اور جذبہ اور تحریک فراہم کرے گا' جو تمہیں تربیت کی راہ میں درکار ہو گی۔ سچی بات ہے کہ اگر تمہارے دل کو لگ جائے کہ تمہیں کسی منزل پر پہنچنا ہے' کچھ بننا ہے' کچھ حاصل کرنا ہے' تو پھر یہ فیصلہ بھی تمہاری تربیت کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ یہ تم کو آگے بھی بڑھائے گا اور تمہاری سمت بھی درست کرے گا' بغیر اس کے کہ کوئی خارجی ذریعہ یہ کام کرے۔ اس کی مثالیں موجود ہیں کہ مکہ میں لوگ آئے' ایمان لائے' جنت کا سودا کیا' چند سورتیں سیکھیں' واپس چلے گئے' جیسے طفیل بن عمرو دوسیؓ اور ابوذر غفاریؓ۔ پھر اس وقت آئے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے پہنچ چکے تھے۔ لیکن یہ اپنے ایمان اور اسلام پر قائم بھی رہے اور ترقی بھی کرتے رہے۔

فیصلہ کرو گے تو یہ بھی اچھی طرح جان لو کہ جنت کے علاوہ ہر چیز جو بہ ظاہر مقصود و مطلوب ہے' اور جس کے حصول میں کامیابی تمہیں محبوب ہے' وہ فی الواقع مقصود حقیقی نہیں۔ تربیت بھی خود مقصد نہیں' نیک سیرت بھی خود مقصد نہیں' حسن اخلاق بھی خود مقصد نہیں' دعوت و جہاد بھی خود مقصد نہیں' غلبہ اسلام اور اقامت دین بھی خود مقصد نہیں۔ ہر چیز جنت کے حصول کا ذریعہ ہے' جس حد تک وہ صالح ہو' خالص ہو' اور آخرت

میں باقی رہ جائے۔ ورنہ ان میں سے بھی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

اگر تم اس بات کو اچھی طرح جان لو گے، اور اچھی طرح یاد رکھو گے، تو تربیت کی راہ کی بہت سی مشکلات دور ہو جائیں گی، بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے اور بہت سے فتنوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ تربیت کی راہ آسان اور صاف ہو جائے گی۔ تربیت ہی کی نہیں، پورے دین پر عمل کی راہ بھی ان برکتوں سے معمور ہو جائے گی۔ دین کی ہر تعلیم اور ہر حکم پر عمل بھی تربیت کا ذریعہ ہی تو ہے۔ دین کی راہ دراصل تربیت ہی کی راہ ہے۔

پھر تم کچھ کرنا چاہو گے اور نہ کر سکو گے، کچھ چھوڑنا چاہو گے اور نہ چھوڑ سکو گے، کچھ بننا چاہو گے اور نہ بن سکو گے، تو نہ ہمت ہارو گے اور نہ مایوس ہو گے۔ ان میں سے کوئی چیز مقصود نہیں، مقصود صرف جنت ہے۔ ہر کوشش کا اجر جنت ہے۔ ہر گناہ کے بعد استغفار کا موقع ہے، اور مغفرت جنت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ پھر کوئی تمہاری دعوت قبول نہ کرے، کوئی تمہاری انا اور نفس کو ٹھیس پہنچائے، تم کو برسوں کام کر کے بھی دین کی راہ میں پیش رفت نصیب نہ ہو، تو بھی اسی عزم اور حوصلے کے ساتھ چلتے رہو گے۔ اس لیے کہ تم ان میں سے کسی کی طرف نہیں دوڑ رہے تھے، تم جنت کی طرف دوڑ رہے تھے۔

پھر تمہیں نہ خود اپنے اندر کمال کی طلب ہو گی، نہ دوسروں میں، اور نہ دوسروں کے نقائص کی وجہ سے تم اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اپنی جنت کی منزل کھوٹی کرنا چاہو گے۔ اس لیے کہ مکمل کمال صرف اللہ کو حاصل ہے، اور تمہارا مطلوبہ کمال فرشتوں کو حاصل ہے، جو گناہ کر ہی نہیں سکتے۔ لیکن فرشتوں کے لیے جنت کی منزل نہیں۔ جہاں تمہیں اپنے کمال میں زوال یا نقص نظر آئے گا، وہیں تم اللہ کی پناہ لو گے، استغفار کرو گے، اور مغفرت و جنت کی طرف چلنا شروع کرو گے۔

جامعیت

یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جنت، اور صرف جنت کو مقصود بنا لینے سے دیگر تربیتوں کا محرک یا ضرورت ختم ہو جائے گی۔ کسی اور چیز کو تربیت کا مقصد بناؤ گے تو جنت خارج ہو جائے گی۔ جنت کو مقصد بناؤ گے تو یہ اتنا جامع مقصد ہے کہ ہر نوع کی تربیت اس میں شامل ہو

بائے گی۔

کیا دیانت داری جنت میں نہیں لے جائے گی؟ پھر کیا اپنے فرائض کو دیانت داری اور بہ حسن و کمال انجام دینا جنت میں نہیں لے جائے گا؟ پھر کیا اس مقصد کے لیے حاصل کردہ تربیت بھی جنت میں داخل ہونے کے لیے تربیت میں شامل نہ ہوگی؟ کیا زراعت و تجارت کر کے لوگوں کی ضروریات پوری کرنا جنت سے قریب نہیں کرے گا؟ کیا ان کاموں کو دیانت اور حسن و خوبی سے انجام دینے پر جنت نہیں ملے گی؟ پھر ان کے لیے تربیت جنت کے لیے تربیت کے دائرہ سے باہر کیوں ہو۔ کیا لایعنی چیزوں کو ترک کر دینا اسلام کا حسن نہیں؟ کیا وقت کے صحیح استعمال کی تربیت جنت میں جانے کے لیے ضروری نہ ہوگی؟ کیا نماز کا وقت پر پڑھنا جنت میں لے جانے میں مدد نہیں کرے گا؟ پھر کیا زندگی کے سب کام وعدوں کے مطابق وقت پر انجام دینے کی تربیت جنت کا مستحق نہیں بنائے گی؟ بلکہ وعدوں کی پابندی تو ان اعلیٰ نیکیوں میں شامل ہے' جن پر وضاحت سے جنت کا وعدہ ہے۔ غرض' جس پہلو سے غور کرو' ہر تربیت' جو ناجائز مقاصد کے لیے نہ ہو اور جنت کی نیت سے ہو' جنت کی تربیت ہے۔ یہ مقصد انتہائی جامع مقصد ہے۔

پہلا قدم

تربیت کی راہ پر پہلا قدم یہی ہے کہ تم جنت اور صرف جنت کو' اپنی زندگی کا محبوب و مطلوب بنالو۔ جنت ہی پر اپنی نگاہیں جمالو۔ دل کو اسی کی آرزو' طمع اور امید سے بھر لو۔ چلو تو اس کی طرف چلو' دوڑو تو اس کی طرف دوڑو۔

یہ تمہارا سوچا سمجھا فیصلہ ہو' اس پر تمہارا دل پوری طرح مطمئن ہو۔ یہ تمہارے دل پر نقش ہو' یہ ہمیشہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہے۔ تم اسے بار بار یاد کرتے رہو' اور تمہاری زبان پر بھی اس کا چرچا ہو۔

✿

۲

تربیت آسان ہے' بالکل بس میں ہے

جنت کی خواہش کرنا تو آسان لگتا ہے' جنت کی طلب بھی دل میں محسوس ہوتی ہے' مگر اسے حاصل کرنے کے لیے اپنی تربیت کرنا انتہائی دشوار کام لگتا ہے' بلکہ بعض اوقات ناممکن سا لگتا ہے۔ زندگی اس طرح بسر کرنا کہ جنت میں داخل ہو سکیں' اس لائق بننا کہ جنت کے راستے پر چل سکیں' لگتا ہے کہ یہ اپنے بس میں نہیں۔

لیکن جب تم تربیت کے راستے پر پہلا قدم اٹھالو' اور سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کر لو کہ اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہی زندگی میں سب سے بڑھ کر محبوب و مقصود ہونا چاہیے ــــــ تو سب سے پہلی یہی بات جاننا' اور اسی پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ تربیت کا راستہ آسان ہے' اور جنت کا حاصل کرنا بالکل اپنے بس میں ہے۔ اسے آسان اور بس میں ہونا ہی چاہیے۔ تاکہ ہم سہولت سے اس راستے پر چل سکیں جو ہمیں جنت تک لے جائے۔ اس بات کو صرف ایک دفعہ جان لینا کافی نہیں' بلکہ اس کو بار بار دہرانا اور ہر دم تازہ رکھنا ضروری ہے۔

آسان ہونے اور بس میں ہونے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ اپنی تربیت کے لیے محنت نہیں کرنا ہو گی' ریاضت نہیں کرنا ہو گی' مجاہدہ نہیں کرنا ہو گا' یا یہ کہ اس راہ میں تکلیفیں پیش نہیں آئیں گی' ناگوار چیزیں برداشت نہیں کرنا پڑیں گی' دکھ اور ایذا نہیں پہنچے گی' مشکل اور دشوار مراحل سے نہیں گزرنا ہو گا۔ نہیں' ان میں سے ہر چیز پیش آسکتی ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہر ناگوار اور تکلیف دہ چیز کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمت و قوت' اور

ہر مشکل سے نکلنے کے لیے راستہ بھی موجود ہے' اور دست گیری کا سامان بھی۔ ہر کام جس کے کرنے کا مطالبہ ہے' وہ انسان کے اختیار اور بس میں ہے۔

آسان کیوں ہونا چاہیے: امتحان کا تقاضا

ہم نے صرف یہ نہیں کہا کہ تربیت کرنا آسان ہے' بلکہ یہ بھی کہا کہ اسے آسان ہی ہونا چاہیے۔ اس بظاہر تعجب خیز بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ آسان ہونا اس مقصد کا ناگزیر تقاضا ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و رحمت اور عدل کا بھی ناگزیر تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس زمین پر کس مقصد کے لیے یہ زندگی بخشی ہے؟ اس امتحان کے لیے کہ تم حسن عمل کی روش اختیار کرتے ہو' یا بد عملی کی۔ شکر کی راہ چاہتے ہو یا ناشکری کی۔ ایمان لاتے ہو یا کفر کرتے ہو۔ اطاعت کرتے ہو یا سرکشی و طغیانی۔ صرف اللہ کی بندگی کرتے ہو یا اس کے علاوہ دوسرے خدا بنا لیتے ہو۔ بات کسی اسلوب سے بھی کہو' مطلب ایک ہے' اور مدعا بھی ایک: اللہ کو تمھارا امتحان مقصود ہے:

> الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (الملک ۶۷:۲)
>
> جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا' تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے' تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔
>
> اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر ۷۶:۳)
>
> ہم نے اسے راستہ دکھا دیا' خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

جب امتحان ہے' تو تمھیں اختیار اور آزادی عمل بھی حاصل ہے۔ یہ اختیار دینا ضروری تھا۔ مجبور و مقہور کا امتحان ایک بے معنی کام ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عدل سے بعید تھا کہ وہ ایسا کرتے۔ عمل کے امتحان میں بھی ڈالتے' عذاب و ثواب کو بھی اس امتحان کے نتیجے پر منحصر کرتے' لیکن عمل کرنے کا اختیار اور آزادی تمھیں نہ بخشتے۔ چاند' سورج' ستارے اور فرشتے' بال برابر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے--- کر نہیں سکتے۔ ان کا نہ حساب ہے' نہ ان کے لیے جنت میں داخل ہونے کے انعام کا امکان۔

یہ امتحان بھی عجیب نوعیت کا امتحان ہے۔ اگرچہ امتحان کی مدت بہت مختصر، فانی اور ختم ہونے والی ہے، لیکن اس کے نتیجے میں، حاصل ہونے والا عذاب شدید یا رضوان و جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے، مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ (النحل ۱۶:۹۶)، جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے، جو کچھ اللہ کے پاس وہاں ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا ہے۔

کیونکہ جنت کا حصول تربیت پر موقوف ہے، اور جنت ہی مقصود زندگی ہے، اس لیے اللہ کی ربوبیت و رحمت کا تقاضا ہوا کہ جنت کی راہ، تربیت کا راستہ، آسان ہو اور ہر شخص کو دست یاب ہو۔ اس کی ربوبیت و رحمت کے اس قانون کا جلوہ تم زندگی میں ہر جگہ دیکھ سکتے ہو۔

جسم کی بقا اور تربیت کے لیے ہوا ناگزیر ہے، ہم چند لمحے بھی ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہوا اس طرح عام ہے کہ ہر جگہ موجود ہے، ہر شخص کو دست یاب ہے، اور بلا کسی کوشش کے دست یاب ہے۔

پانی بھی زندگی کے لیے ناگزیر ہے، لیکن ایک درجہ کم۔ وہ بھی ہر جگہ پہنچایا جاتا ہے، بہ آسانی دست یاب ہوتا ہے، لیکن ہوا کی طرح عام نہیں۔ تو جس تربیت پر عارضی نہیں ابدی زندگی میں بقا و فلاح کا انحصار ہو، کیا وہ ہوا اور پانی کے مثل، اپنی نوعیت کے لحاظ سے، آسانی سے اور عام طور پر دست یاب نہ ہوگی؟

امتحان تو ہر شخص کا مقصود ہے، جنت کی منزل تو ہر شخص کے سامنے رکھی گئی ہے۔ پھر کیا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عدل کے مطابق ہوتا کہ وہ امتحان میں بھی ڈالتا، دوڑ میں شریک بھی کرتا، سامنے جنت جیسا انعام اور ہدف بھی رکھ دیتا، مگر پھر جنت کی راہ پر دوڑنا اتنا دشوار اور مشکل بنا دیتا کہ ہر شخص کے لیے دوڑنا ممکن نہ ہوتا۔ لوگ ہمت ہار دیتے اور سمجھ لیتے کہ یہ تو دشوار بلکہ ناممکن کام ہے، اس پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے!

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کے لیے تربیت کے راستے پر چلانے کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی ہے:

اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی۔ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی (اللیل ۹۲: ۱۲۔۱۳)

بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمے ہے' اور در حقیقت آخرت اور دنیا' دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔

اور' جنت کے راستے' اطاعت کے راستے اور دین کے راستے کو الیسری کا نام دیا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی۔ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی (اللیل ۹۲: ۵۔۷)

جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا' اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا' اور بھلائی کو سچ مانا' اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ۲: ۱۸۵)

اللہ تمھارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے' سختی کرنا نہیں چاہتا۔

اور یہ بھی کہ

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء ۴: ۲۸)

اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اعلان فرمایا کہ الدین یسر' دین کا راستہ' جنت اور تربیت کا راستہ' آسان راستہ ہے۔ بڑی شدت اور اہتمام سے' اپنے ساتھیوں کو جنھیں دنیا بھر کو جنت اور مغفرت کے راستے پر چلنے کی دعوت دینا تھی' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے' اور بار بار فرمائی ہے کہ

یسروا ولا تعسروا' بشروا ولا تنفروا

دین کو آسان اور سہل بناؤ' تنگ اور مشکل نہیں اور لوگوں کو بشارت دے کر خوش کرو' تنگی پیدا کر کے متنفر نہ کرو۔

چنانچہ' ہمیں یقین رکھنا چاہیے اور یہ بشارت قبول کرنا چاہیے' کہ ہم جس امتحان

میں ڈالے گئے ہیں' اس کا ناگزیر تقاضا یہی ہے کہ تربیت اور آخرکار دین پر چلنے اور جنت میں پہنچنے کی راہ' آسان راہ ہے۔

رحمت و عدل الٰہی کا تقاضا

اللہ تعالیٰ کی رحمت و عدل سے جہاں یہ بات بعید تھی' کہ وہ ہم کو جنت کی دعوت دیتا۔۔۔۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْآ اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ (البقرہ ۲:۲۲۱)' اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے' وَاللّٰهُ يَدْعُوْآ اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس ۱۰:۲۵) اور اللہ تمھیں دارالاسلام کی طرف دعوت دے رہا ہے' اور ہم سے جنت کی طرف دوڑ لگانے کا مطالبہ بھی کرتا۔۔۔۔

وَسَارِعُوْآ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ (آل عمران ۳:۱۳۳)
دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمھارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے۔

اور ساتھ ہی اس راہ کو اتنا دشوار گزار بنا دیتا کہ چل نہ سکتے' وہاں یہ بات اور بعید تر تھی کہ وہ ہمیں امتحان میں ڈالتا' اور اس لیے اور اس طرح ڈالتا کہ ہم ناکام ہو جائیں۔ "کیا ایک ماں اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے" ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا۔ آنحضورؐ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا' "نہیں' مگر لوگ اس کے سوا دوسرے خدا بنا لیتے ہیں!" خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (النساء ۴:۱۴۷)
آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں خواہ مخواہ سزا دے' اگر تم شکرگزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے' اور سب کے حال سے واقف ہے۔

تربیت کا کام شروع کرو تو اسی یقین کامل اور بھرپور اعتماد کے ساتھ شروع کرو' کہ راستہ آسان ہے' اللہ نے تمھیں ناکام ہونے کے لیے اس امتحان میں ہرگز نہیں ڈالا ہے' نہ وہ تم کو ناکام ہوتا دیکھنا چاہتا ہے' نہ تمھیں عذاب دے کر اسے کچھ ملے گا۔ یہ یقین بھی

کہ تم سے جو مطالبہ ہے، خاص ہو یا عام، جس آزمایش میں ڈالے جاؤ، تمھیں وہ سب کچھ دیا گیا ہے، جس سے تم وہ مطالبہ پورا کرسکو، اور اس آزمایش سے کامیاب نکل سکو۔

آسانی کے پہلو: فطرت انسانی سے مطابقت

آسانی کے پہلو بے شمار ہیں۔ ہم تین پہلوؤں کی طرف توجہ دلائیں گے جن کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی، تمھاری فطرت ایسی بنائی ہے، کہ اس کو نیکی محبوب اور مطلوب ہے، وہ اسے اچھی اور خوبصورت لگتی ہے، وہ اس کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہے، وہ اس کے لیے جانی پہچانی چیز ہے۔ انسان کتنا ہی برا اور بدکار ہو، وہ پھر بھی سچائی، ہمدردی، حسن اخلاق، عدل، دیانت، امانت اور وفائے عہد جیسی چیزوں کی تعریف کرے گا۔ ہر انسان بے گناہ قتل، ظلم و زیادتی، بدزبانی، حسد جیسی چیزوں کو ناپسند کرے گا۔

جب تم نیکی کرتے ہو تو تمھارا دل خوش ہوتا ہے، تمھیں اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جب تم برائی کرتے ہو تو تمھارے دل میں خلش ہوتی ہے، اس کو زنگ لگ جاتا ہے، تم اپنی نگاہوں میں گر جاتے ہو۔ رسول اللہؐ نے ایک صحابیؓ کو نیکی اور برائی کی تعریف انھی الفاظ میں بتائی۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ قرار دیا ہے، جس پر اس نے سارے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

چنانچہ نیکی اور حسن عمل کی راہ تو سیدھی اور آسان ہے، مگر وہ اس لیے مشکل ہو جاتی ہے کہ ہم خود اپنے کو ٹیڑھا میڑھا بنا لیتے ہیں۔ ایک گول سوراخ میں اگر ٹیڑھی چیز اندر نہیں جاسکتی تو قصور سوراخ کا نہیں۔ اگر چٹان پر فصل نہیں لہلہاتی تو قصور بارش کا نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے قلب و فطرت کو سلیم بنالیں تو الیسری پر چلنا ہمارے لیے آسان ہو گا۔ اسی لیے قرآن مجید نے بڑے بلیغ اور معنی خیز انداز میں یہ فرمایا ہے کہ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (اللیل ۹۲:۷)، ہم انسان کو آسان کردیتے ہیں، الیسری پر چلنے کے لیے، (لفظی ترجمہ یہی ہے)، یہ نہیں کہ ہم الیسری کو آسان کردیتے ہیں، انسان کے لیے"۔ قلب کو

سلیم بنانے کا نسخہ بھی بڑا آسان ہے، جو ہم اپنے مقام پر بتائیں گے۔

دوسری آسانی: ساری زندگی تربیت گاہ ہے

آسانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی اور ساری کائنات کو تربیت گاہ بنا دیا ہے۔ چند تربیتی امور لازم ضرور کیے گئے ہیں، مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج--- لیکن دراصل زندگی میں پیش آنے والا ہر واقعہ، ہر حادثہ، دل پر گزرنے والی ہر واردات، ہر کیفیت، ہر نعمت، ہر مصیبت، ہر نیکی، ہر بدی، آسمان و زمین اور ان کے اندر ہر مخلوق جس سے انسان کو سابقہ پیش آئے، اس کے لیے مربی بنا دی گئی ہے، بشرطیکہ وہ اس مربی کو پہچانتا ہو اور اس سے تربیت حاصل کرنے کے لیے آمادہ اور مستعد ہو۔

جو لوگ ان ہمہ وقت اور ہمہ جگہ مربیوں سے درس لیتے رہتے ہیں، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران ۳:۱۹۱) یہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ (حٰم السجدہ ۴۱:۵۳)، عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے۔

جو کتاب وحی، کتاب فطرت اور کتاب زندگی پڑھتا ہو، اور ان سے تربیت حاصل کرتا ہو، وہ فی الواقع پھر کسی تربیتی کورس کا محتاج نہیں رہتا، اگرچہ واجب اور نفل تربیتی کورس، اللہ نے بتائے ہوں یا ہم نے خود وضع کیے ہوں، تمھارے مددگار و معاون ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح معنوں میں اسی وقت موثر ہوتے ہیں، جب وہ تمھیں ساری زندگی کو تربیت گاہ بنانے کے مقام پر پہنچانے میں مدد کریں۔

ذرا غور کرو: ہر نیکی، ہو یا کردہ، تمھاری تربیت کا ذریعہ ہے۔ تم اسے نیکی سمجھو، نیکی کے طور پر اس کی محبت دل میں بٹھاؤ، اس کی توفیق پر اللہ کا شکر ادا کرو، اس کے اجر کی امید اور توقع رکھو، اس سے مسرت اور لذت حاصل کرو، اور اس سے اللہ کے وجہ کریم کے نور کو طلب کرو۔

نیکی کا دائرہ وسیع تر ہے۔ روزی کمانا بھی نیکی ہے، اپنے اوپر خرچ کرنا بھی نیکی ہے،

اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے' اپنے کاروبار کے فروغ پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے' پودا لگانا بھی نیکی ہے' اس کا پھل خود تم کھاؤ' پرندے اور جانور کھائیں' چوری ہو جائے' وہ بھی تمھارے حساب میں نیکی ہے' میاں بیوی کا تعلق بھی نیکی ہے۔ ہر نیکی تمھاری مربی بن سکتی ہے۔

گناہ سب سے بڑھ کر مایوسی کا سبب بنتا ہے' لیکن ہر گناہ تمھارا بڑا موثر مربی بھی بن سکتا ہے۔ تم یہ احساس پیدا کرو کہ گناہ ہوا' آنکھوں کو بہنے دو' دل کو ندامت اور شرمندگی سے بھر لو' یقین رکھو کہ اب اللہ کے سوا کوئی اس گناہ کے نتائج بد سے نہیں بچا سکتا' اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا دو' سر جھکا دو' آنسو بہاؤ___ تم دیکھو گے کہ کتنی تربیت گاہ کا سامان اس گناہ میں ہے۔

میں گناہ کی ترغیب نہیں دے رہا' گناہ سے نفرت اور اجتناب کی ہر ممکن کوشش ضروری ہے' لیکن یہ بھی حکمت تخلیق ہے کہ انسان کو گناہ سے مفر نہیں۔ دل میں گناہ کی خواہش اٹھے اور تم خدا کے خوف سے رک جاؤ' یہ بہت بڑی نیکی ہے' جتنی زبردست خواہش' جتنے بڑے گناہ کے لیے ہو' اللہ کے خوف سے رک جانا اتنی ہی بڑی نیکی ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى (النزعت ۷۹:۴۰-۴۱)

اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا' جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔

یہی معاملہ نعمتوں کا ہے۔

ہر نعمت' تربیت کا ذریعہ ہے۔ وہ نعمتیں بھی جو عام ہیں۔ مثلاً ہر سانس' کھانے کا ہر لقمہ' پانی کا ہر گھونٹ' ہر لمحہ' جسم کی حفاظت' رزق' نعمتیں اور وہ بھی جو تمھارے لیے خاص ہیں۔ یہ نعمتیں عطا کرنے والے کو یاد کرو' اس کے شکر سے دل کو بھر لو' اس کو اپنے علم اور ہاتھ کا کرشمہ نہ سمجھو' نہ کسی مخلوق کا عطیہ سمجھو۔ دل و جان سے الحمدللہ کہو' پھر دیکھو کہ کتنے اخلاقی و روحانی امراض کا علاج چٹکی بجانے میں ہو جاتا ہے "شکر کرو گے تو اللہ

اور دے گا...... اور دے گا"۔ اگر یہ شکر نیکی کی توفیق کی نعمت پر ہو' تو خود ہی سوچو کہ کتنی نیکیاں اور ملیں گی اور تربیت کتنی آسان اور تیز ہو گی۔

یہی معاملہ مصیبت کا ہے۔

ہر مصیبت تربیت کا ذریعہ ہے۔ پھر یاد کرو کہ یہ کس کی طرف سے ہے۔ اس کی طرف سے جس کے اذن کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا۔ وہ جو رحمٰن اور رحیم ہے' تمھارا بدخواہ نہیں' خیر خواہ ہے۔ پھر صبر کرو۔ صبر تو ساری تربیت کی شاہ کلید ہے۔ یہ مصیبتیں نہ پڑیں' تو یہ عظیم نعمت عظمیٰ تمھیں کیوں کر حاصل ہو۔

تیسری آسانی: اختیار اور بس میں ہے

آسانی کے تیسرے پہلو کو یوں دیکھو' کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عدل سے' یہ بات بعید ہے کہ وہ تمھیں ایسا حکم دیں جس کو بجا لانے کی تم میں سکت نہ ہو' یا تمھیں ایسے امتحان و آزمایش میں ڈالیں جس میں پورا اترنے کی تم میں طاقت نہ ہو۔ یہ امتحان کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ اس سبق کا امتحان کیسے ہو سکتا ہے جو پڑھایا ہی نہ گیا ہو' اس ناکامی پر مواخذہ یا سزا کیسے نصیب ہو سکتی ہے جو ایسے کام میں ہو' جو اختیار اور بس سے باہر ہو۔

چنانچہ بنیادی اصول بیان کر کے یہ انتہائی اہم سنت الٰہی واضح کر دی گئی' اس سورۃ البقرہ کے اختتام پر جو کلیات و قوانین دین کی جامع ہے۔ فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ' (البقرہ ۲:۲۸۶)

اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے' اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے' اس کا وبال اسی پر ہے۔

یہ اصول متعدد مقامات پر واضح کیا گیا ہے: جبر و اکراہ کے عالم میں زبان سے کلمہ کفر کہنا پڑے' مگر دل ایمان پر مطمئن ہو' تو کوئی گناہ نہیں' کوئی مواخذہ نہیں۔ بھول چوک کے گناہ

معاف ہیں کہ وہ اختیار سے باہر ہیں۔ دل میں آنے والے تمام وساوس اور گناہ کی تمام خواہشات معاف ہیں کہ ان پر اختیار نہیں۔ بلکہ اگر گناہ کی خواہش پیدا ہوئی اور پھر آدمی اسے کرنے سے رک گیا' تو نیکی کے اجر کی بشارت ہے۔ دل کی کیفیات اور ان کے اتار چڑھاؤ پر بھی کوئی مواخذہ نہیں کہ وہ بھی بس میں نہیں۔ قیام لیل کی فرضیت دائرہ اسلام وسیع ہوتے ہی اس لیے ختم کردی گئی کہ "اللہ نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے' سو تم پر معافی بھیج دی۔ اب پڑھو جتنا قرآن آسانی سے ہو سکے"۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت نازل فرمائی کہ "اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران ۳: ۱۰۲)' اللہ سے تقویٰ کرو جیسا کہ اس سے تقویٰ کرنے کا حق ہے"۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کانپ اٹھے۔ کس کے بس میں ہے کہ اللہ سے تقویٰ کا حق ادا کرسکے! چنانچہ تشریح فرمائی گئی کہ فاتقوا اللہ ما استطعتم' (اللہ سے تقویٰ کرو' جتنا بس میں ہے) تقویٰ کرنا سیکھنا ہی تو ایک لحاظ سے تربیت کا حاصل ہے۔ چنانچہ ہم بہ آسانی کہہ سکتے ہیں کہ "اپنا تزکیہ کرو' اپنی تربیت کرو' جتنی تمھاری استطاعت ہو' جتنی کر سکو"۔ اس سے زیادہ تربیت کا مطالبہ نہیں' اس سے زیادہ تربیت جنت حاصل کرنے کے لیے لازم نہیں کی گئی۔ نبی کریمؐ جب اطاعت و جہاد کی بیعت لیا کرتے تھے' تو خاص طور پر "بہ حد استطاعت" کے الفاظ کا اضافہ ضرور فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ جن فرائض کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے' یا جن چیزوں کو اس نے حرام کیا ہے' ان کو بجالانا یا ان سے رک جانا بالکل تمھارے بس میں ہے' یہ کبھی اختیار سے باہر نہیں ہو سکتا۔ وہ عبادات اور جہاد ہوں' کھانے پینے کی اشیا ہوں' اموال ہوں' یا اخلاق و معاملات کے دائرے میں افعال ہوں' مثلاً ایفائے عہد' عدل' احسان' صلہ رحمی وغیرہ یا حسد' تجسس' بدظنی' غیبت وغیرہ۔ اگر تم اطاعت نہیں کرپاتے' یا تمھارے نفس نے مجاہدہ' ریاضت اور محنت سے بچنے کی خاطر کوئی عذر لنگ تراش رکھا ہے' یا تم واقعی مجبور ہو۔ ان تمام معاملات میں نہ کسی مفتی کا فتویٰ کام آئے گا' نہ کسی انسان کو مطمئن کردینے سے دامن چھوٹ جائے گا۔

سوچنا یہی چاہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو' جو عالم الغیب والشہادہ ہے' تم اپنے عذر سے

مطمئن کر سکو گے۔ اگر مجبوری حقیقی ہو گی' تو وہ اللہ کے ہاں قبول ہو گی۔ نہ تم سے مواخذہ ہو گا' نہ تربیت میں نقص آئے گا۔ اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہو تو کوئی فتویٰ اور کوئی انسان تمھارا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ دیگر معاملات میں جو اوامر اور منہیات میں سے نہیں' یہ سوچ اور کردار تمھارے لیے راہ کو آسان کرے گی۔

چنانچہ تربیت کی راہ پر اس یقین کے ساتھ آگے بڑھو کہ کوئی ایسی چیز تمھاری جنت کی راہ کھوٹی نہیں کر سکتی' اور اس کو نہیں کرنا چاہیے' یا کوئی ایسی چیز جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری نہیں ہو سکتی' اور اسے نہیں ہونا چاہیے' جو تمھاری استطاعت اور اختیار سے باہر ہو۔ یہ یقین تمھاری تربیت کی راہ کی ان بے شمار دشواریوں کو آسان کر دے گا' اور ان گوناگوں فتنوں کا ازالہ کر دے گا' جن کا شکوہ اس راہ کے راہی اور سالک کثرت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔

اختیاری اور غیر اختیاری

اس معاملے میں اصل اصول یہ ہے کہ معاملہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔

تم اکثر کہتے ہو میں فلاں چیز پر قابو نہیں کر سکتا' فلاں حکم نہیں بجا لا سکتا' فلاں ناجائز چیز کو ترک نہیں کر سکتا۔ تم یہ دیکھو کہ ایسا کرنا تمھارے اختیار میں ہے یا نہیں۔ اگر یہ اللہ کا حکم ہے' تو وہ یقیناً تمھارے اختیار اور بس میں ہے۔ اس لیے کہ' جیسا ہم واضح کر چکے ہیں' اللہ نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو تمھاری استطاعت میں نہ ہو۔ احکام الٰہی کے علاوہ' جو معاملہ اختیار سے باہر ہو' اس کی بے جا فکر نہ کرو' اس کی وجہ سے کسی فتنے میں نہ پڑو' اس کی وجہ سے جو کچھ نیکی کر رہے ہو' اسے بھی نہ چھوڑ بیٹھو' نہ اپنی راہ کھوٹی کرو۔

راہزن فتنہ اور مغالطے

تربیت کے راستے کا سب سے بڑا فتنہ' مایوسی اور ترک سعی و عمل کا فتنہ ہے۔

دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اللہ اور رسولؐ کے بارے میں بھی ہوتے ہیں' ان کی تعلیمات کے بارے میں بھی۔ گناہوں کی خواہشات بھی جوش مارتی

ہیں۔ حالات سے اور انسانوں سے مایوسی کا وسوسہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ مگر دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں' یہ تمھارے اختیار میں نہیں۔ ان خیالات کو نکال باہر کرنا بھی تمھارے اختیار میں نہیں۔ ان پر تمھارا کوئی مواخذہ نہیں۔ ان سے جنت کا نقصان نہیں ہوتا۔ پھر تم کیوں پریشان ہو اور کیوں ہمت ہارنے لگو۔ برے خیالات آنے کے راستے بند کرنے اور اچھے خیالات کو دل میں لانے کی کوشش کرنا' بس اتنا ہی تمھارا اختیار ہے۔ اتنا ہی کرنے کو کافی سمجھو۔

تم بار بار عزم کرتے ہو اور وہ عزم بار بار ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسا عزم جو کبھی نہ ٹوٹے' ایسا ارادہ جو کبھی شکستہ نہ ہو' یہ بھی تمھارے اختیار میں نہیں دیا گیا۔ بلکہ عزم و ارادے کی ناپختگی' تمھارے امتحان کی خاطر' حکمت الٰہی نے تمھاری طبیعت میں ودیعت کی ہے۔ اس کی وجہ سے بھی نہ مواخذہ ہے' نہ جنت کا نقصان۔

سب سے مشکل معاملہ گناہوں کا ہے' جن کا تعلق عزم کی ناپختگی سے بھی ہے۔ گناہ ہوتے ہیں اور بار بار ہوتے ہیں۔ بار بار توبہ کرنے کے بعد بھی بار بار ہوتے ہیں۔ جانتے بوجھتے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ کا حکم معلوم ہوتا ہے' اور پھر بھی خواہش نفس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ گناہوں سے بھی حوصلہ ہارنے اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ بھی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ گناہ بالکل نہ کرے' یا بار بار نہ کرے' یا توبہ نہ ٹوٹے۔ یہ تو فرشتوں اور انبیا علیہم السلام کا مقام ہے۔

گناہ کا اختیار اس آزادی کا ناگزیر تقاضا ہے جو اللہ نے تمھیں جنت حاصل کرنے کے لیے دی ہے۔ اگر تم گناہوں کے اس سلسلے کو بند کر سکتے تو اللہ دوسری مخلوق پیدا کرتا' جو گناہ کرتی اور اس سے مغفرت کی طلب گار ہوتی۔ اسی لیے ہر جگہ جنت کی دعوت کے ساتھ اس سے پہلے مغفرت کی دعوت دی گئی ہے۔

دل میں غلط کیفیات بھی مایوس کرتی ہیں۔ مطلوب کیفیات حاصل نہ ہو سکیں تو بھی مایوسی ہونے لگتی ہے۔ کیفیات میں اتار چڑھاؤ بھی پریشان کرتا ہے۔ لیکن دل کی کیفیات پر بھی تمھیں اختیار نہیں بخشا گیا ہے' صرف عمل پر بخشا گیا ہے۔ محبت' خوف' خشوع وغیرہ محبوب ہونا چاہئیں' ان کے حصول کے لیے وہ تدابیر بھی اختیار کرنا چاہئیں جن کو اختیار کرنا

تمھارے بس میں ہے۔ لیکن یہ کیفیات کس قدر پیدا ہوتی ہیں' اور کتنی پائے دار ہوتی ہیں' اس پر تمھارا کوئی حساب نہ ہو گا' نہ اس کی وجہ سے جنت کا نقصان۔ پھر مایوسی و پریشانی کیوں؟ اس کو بھی ختم کر دو۔

کمال کی طلب ہوتی ہے' لیکن کمال بھی تمھارے اختیار میں نہیں' بلکہ یہ تمھارے مقام انسانی کے منافی ہو گا کہ تمھیں کمال حاصل ہو جائے۔ اس بے سود تلاش کو بھی ترک کر دو۔ یہ کہ دوسروں میں نقائص دیکھ کر بھی تم مایوس ہونے لگتے ہو' اور خود اپنی تربیت سے دست بردار ہو جاتے ہو' اس سے بڑھ کر نادانی کیا ہو گی۔ دوسروں کو نیک بنانے کا اختیار بھی تمھیں نہیں دیا گیا ہے۔ نہ کسی دوسرے کا بوجھ تم اٹھاؤ گے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو' صراط مستقیم پر چلتے رہو۔ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا کام کرتے رہو۔

اچھی طرح یاد رکھو

بس جنت کو مقصود بنا کر اپنی تربیت کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد' پہلی اہم بات یہی ہے کہ تربیت کا راستہ' دین اور ہدایت کا راستہ' جنت کا راستہ آسان ہے اور بالکل تمھارے اختیار اور بس میں ہے۔ یہ مشکل اس لیے بن جاتا ہے کہ تم اسے مشکل بنا لیتے ہو' خود اس کے لیے مشکل بن جاتے ہو۔ اس بات کو یاد رکھو گے' حوصلے بلند رہیں گے' اعتماد سے کام کرو گے' امید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے گا' اللہ کی مدد ہمیشہ تمھارے شامل حال ہو گی۔

✿

۳

اپنا ارادہ اور عمل شرط ہے

دنیا میں کامیابیاں ہوں' یا آخرت کی کامرانیاں' دونوں کے لیے اپنی تربیت ناگزیر ہے۔ جنت اپنی تربیت اور تزکیے کے بغیر نہیں مل سکتی۔ اپنی تربیت کرنے اور جنت میں جانے کا یہ راستہ آسان ہے' اور یہ بالکل تمہارے بس اور اختیار میں ہے کہ اپنی تربیت کر سکو' کرو' اور کرلو۔

لیکن یہ بات بھی ہمیشہ خوب اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہاری تربیت صرف تمہارے اپنے کرنے ہی سے ہو سکتی ہے۔ جو کچھ کرنا ضروری ہے' تم اس کا ارادہ کرو' اسے کرنے کی کوشش کرو' عمل کرو۔۔۔۔ اس کے بغیر تمہاری تربیت کسی طرح ممکن نہیں۔

تمہارا ارادہ اور تمہارا عمل ۔۔۔۔ اپنے بس میں عمل کی پوری کوشش ۔۔۔۔ یہی تمہاری تربیت کے لیے پہلی شرط ہے۔ صرف یہی چیز اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے' صرف اسی پر انھوں نے اپنے سارے انعام و اکرام کا وعدہ کیا ہے۔

تم ارادہ نہ کرو' تربیت کے لیے جو کچھ کرنا تمہاری ذمہ داری ہے' اس کے مطابق عمل نہ کرو' تو اس کا کوئی بدل نہیں' اس کی تلافی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ کوئی چیز تمہارے ارادے اور عمل کی جگہ نہیں لے سکتی۔ کوئی تمہاری جگہ وہ کام نہیں کر سکتا جس کو کرنے کے لیے ذمے داری تمھیں دی گئی ہے۔ تم کچھ سیکھ کر اس پر عمل نہ کرو' یا سیکھنا ہی نہ چاہو' تو کوئی تعلیم و تربیت تمھیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ اپنے ایمان اور عمل کے علاوہ کوئی چیز نہیں جو تمھیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کا مستحق بنا سکے' تمھیں جنت میں لے جا سکے۔

یہی تربیت کا اصل اصول ہے۔ یہ بالکل ظاہر اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اتنا صاف اور واضح ہونے کے باوجود' بدقسمتی سے یہی اصول سب سے زیادہ نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے' یا ہو جاتا ہے۔ یہ اصول بے شمار تمناؤں اور تاویلات کے پردوں میں چھپ جاتا ہے۔ اس کو بھول کر ہم دسیوں سہاروں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں' مگر کوئی بھی سہارا سراب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

تخلیق و امتحان کا تقاضا: عمل کے بدلے کا قانون

غور کرو تو تربیت کا یہ قطعی اور واضح اصول ہمارے مقصد وجود میں مضمر ہے۔ یہ اس امتحان کی بنیاد اور روح ہے' اس کا ناگزیر تقاضا ہے' جس کی خاطر ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ ہمیں حسن عمل کے امتحان میں ڈالا گیا ہے۔ اسی امتحان کے لیے ہم کو اپنے عمل پر اختیار دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے عمل کے علاوہ ہمیں کسی چیز پر بھی کوئی حقیقی اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اختیار عمل ہی کا تقاضا ہے کہ تربیت کا عمل آسان ہے' اس لیے کہ عمل ہمارے اختیار میں ہے۔ لیکن اسی اختیار اور حسن عمل کے امتحان کا لازمی تقاضا یہ بھی ہوا کہ ہمیں جو کچھ ملے وہ صرف ہمارے ارادہ کرنے اور عمل کرنے کے بدلے میں ملے۔ اللہ کی رحمت ملے تو اسی کے بدلے میں' مغفرت ملے تو اسی کے بدلے میں' مغفرت و رحمت کی بدولت جنت ملے تو وہ بھی اسی کے بدلے میں۔

اگر ہمارے لیے یہ امکان اور راستہ بھی کھلا ہوتا کہ ---- ہم نہ چاہیں' ارادہ نہ کریں' عمل نہ کریں ---- پھر بھی کسی اور کے وہ عمل کرنے سے جو ہمارے کرنے کا ہے' کسی کی تعلیم و تربیت سے' کسی کے حکم و اختیار سے ہمارے لیے تربیت اور جنت کی راہ ہموار ہو جاتی تو وہ امتحان ہی بے معنی ہو جاتا جس کی خاطر ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔

کوئی بھی ہماری جگہ وہ نماز نہیں پڑھ سکتا جو ہمیں پڑھنا ہے۔ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا' وہ وعدہ پورا نہیں کر سکتا' مخلوق کی وہ خدمت نہیں کر سکتا' وہ جہاد نہیں کر سکتا' جو کرنا ہمارا کام ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا وہ عمل کرے جو ہمیں کرنا ہے' اس طرح کہ اس میں ہمارا

سرے سے کوئی دخل ہی نہ ہو تو --- اس پر عذاب ثواب کے مستحق ہم کیسے ہو سکتے ہیں۔ کوئی ہمیں مجبور کر کے گناہ کرائے' اور اس میں ہماری خواہش و ارادے کو دخل نہ ہو' تو اس کا وبال ہم پر نہیں۔ من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان' (اس پر کوئی غضب نہیں) جس پر زبردستی کی گئی ہو (کہ وہ کفر کرے) جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اسی طرح کوئی ہم سے اس طرح نیکی کرا لے کہ ہم کرنا نہ چاہتے ہوں' تو اس کا اجر ہمیں کیوں ملنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ پھر کوئی دوسرا ہماری جگہ تربیت کی وہ کوشش کیسے کر سکتا ہے' جس کا کرنا ہمارے ہی لیے مقرر کیا گیا ہے۔ یا اگر ہم خود اپنی تربیت کے لیے سعی نہ کریں' تو کسی کی بھی تعلیم و تربیت سے ہمیں کیوں کر فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ خارج سے تربیت کی ہر کوشش ایک بارش کی مانند ہے۔ چٹان پر سے وہ بارش بہہ جاتی ہے' ہر تالاب' ندی' نالہ' دریا اپنے ظرف کے مطابق اس کو حاصل کرتا ہے' ہر زمین اپنی استعداد کے مطابق فصل اگاتی ہے:

یہ اہم ترین بنیادی اصول اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کر دیا ہے:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ' (البقرہ ۲:۲۸۶)

ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے' اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے' اس کا وبال اسی پر ہے۔

پھر اسی اصل اصول کو بڑے اہتمام سے یوں بیان کیا گیا ہے' اور اس تاکید کے ساتھ کہ یہ تو وہ اصول ہے جو ازل سے آسمانی صحیفوں میں لکھا چلا آ رہا ہے:

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ـ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى ـ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ـ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ـ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ـ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى (النجم ۵۳:۳۶-۴۱)

کیا (انسان) کو وہ بات بتا نہیں دی گئی ہے جو موسیٰؑ کے صحیفوں اور اس ابراہیمؑ کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہے' جس نے وفا کا حق ادا کر دیا؟ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے' مگر وہ عمل جس کی اس نے سعی کی' اور یہ کہ اس کا عمل اسے عنقریب ضرور دکھایا

جائے گا، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

پھر جنت کا حصول ـــــ جو حسن عمل کی آزمایش میں کامیابی کا انعام اتنی وضاحت اور اتنی کثرت کے ساتھ عمل، کوشش، محنت، اور سعی کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے، کہ کسی غلط فہمی کی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ جنت کے راستے پر چلنے کے لیے تربیت، عمل کے علاوہ بھی کسی اور طرح ممکن ہے۔

جزاء بما کانوا یعملون، انما تجزون ما کنتم تعملون (بدلہ اس کا جو کرتے تھے)، للمتقین (جنت تقویٰ رکھنے والوں کے لیے ہے)، الذین آمنوا وعملوا الصالحات (ان کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے)، دوڑو جنت کی طرف، مسابقت کرو جنت کی طرف، جنت جیسی چیز ہی کے لیے تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے، دوسروں پر بازی لے جانے والوں کو بازی لے جانا چاہیے: یہ وہ لہر ہے، جو قرآن کے ہر صفحے پر موج زن ہے۔

ثابت ہوا کہ صرف خواہش و تمنا سے، کسی کی نظر اور توجہ کی برکت سے، کسی تقریر و درس کی تاثیر سے، کسی کامل کی صحبت سے، جنت نہیں مل سکتی، ایسی وہ تربیت بھی نہیں ہو سکتی جس کا انعام جنت ہے ــــ جب تک اپنا ارادہ نہ ہو، اپنی کوشش نہ ہو۔

کوئی چیز فائدہ نہ دے گی

تم سمجھتے ہو کہ تم ارادہ نہ کرو گے، کوشش نہ کرو گے، انگلی نہ ہلاؤ گے، تو اس کے باوجود تمھاری تربیت ہو جائے گی۔ یاد رکھو، نہیں ہو گی۔ تم سمجھتے ہو کہ صرف کتابوں کا مطالعہ کر لو گے، اسٹڈی سرکل میں شرکت کر لو گے، اور تمھاری تربیت ہو جائے گی، نہیں ہو گی۔ ایک دل گداز درس سن لو گے، ایک جذبات انگیز تقریر کانوں میں پڑ جائے گی، ایک تربیتی پروگرام میں شرکت کر لو گے اور تمھاری تربیت ہو جائے گی، نہیں ہو گی۔ کسی مرد کامل کی صحبت، نظر، توجہ میسر ہو جائے گی، وہ انگلی پکڑ لے گا اور تمھارا بیڑا پار ہو جائے گا، یہ بھی نہیں ہو گا۔ جب تک تم خود نہ چاہو گے، ارادہ نہ کرو گے اور عمل کے راستے پر قدم نہ بڑھاؤ گے، تمھیں کچھ نہیں ملے گا۔ اگر تمھارے بغیر یہ سب کچھ ہو سکتا، اس کے باوجود کہ تم اپنے اختیار سے حسن عمل کرتے، تو امتحان اور جزا و سزا کا نظام بے معنی ہو

جائے۔

اگر تم خود نیک بننے کا ارادہ اور کوشش نہ کرو، تو نبیؐ کی تعلیم، توجہ اور صحبت بھی تمھیں نیک نہیں بنا سکتی، بد بننے سے نہیں روک سکتی۔ انبیا علیہم السلام کو بھی کوئی اختیار ایسا نہیں دیا گیا جو تمھارے ذاتی اختیار سے بالاتر ہو اور اس پر حاوی ہو سکے:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص ۲۸:۵۶)

اے نبیؐ، تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے۔

آپؐ کو یہ اختیار نہیں بخشا گیا تھا، نہ یہ ذمہ داری دی گئی تھی، کہ کسی کو، اس کی مرضی کے خلاف، زبردستی ہدایت کے راستے پر چلا دیں۔ لوگ نفاق و کفر لے کر صحبت نبویؐ میں جا کر بیٹھتے تھے، اور اپنی انھی گندگیوں کے ساتھ اسی طرح اٹھ کر چلے آتے تھے۔ وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْکُفْرِ وَھُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِہٖ (المائدہ ۵:۶۱) حالانکہ کفر لیے ہوئے آئے تھے اور کفر ہی لیے ہوئے واپس گئے۔

شیطان کا زور

اگر تم خود بد نہ بنو، تو شیطان کی صحبت بھی تمھیں بد نہیں بنا سکتی، اگرچہ شیطان کی صحبت میں تو تم ہر وقت رہتے ہو۔ وہ تمھاری جان کے ساتھ لگا ہوا ہے، خون کے ساتھ گردش کر رہا ہے، ایسی جگہوں سے تمھاری تاک میں ہے جن کا تم کو پتا ہی نہیں۔ وہ دائیں بائیں آگے پیچھے سے مسلسل نقب لگاتا رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تمھارے ارادے کے خلاف زبردستی تم سے کوئی عمل بد نہیں کرا سکتا۔ اسے کوئی ایسا اختیار تم پر نہیں دیا گیا ہے۔ وہ اپنے عمل پر تمھارے اپنے اختیار کو باطل نہیں کر سکتا۔ بلکہ روز قیامت تو وہ کھڑے ہو کر صاف کہہ دے گا:

وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (ابراہیم ۱۴:۲۲)

میرا تم پر کوئی زور اور اختیار تو تھا نہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تم کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے

ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔

توفیق الٰہی کی دست گیری

توفیق الٰہی کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن یاد رکھو کہ توفیق الٰہی بھی اسی وقت تمہارے شامل حال ہو گی اور تمہاری دست گیری کرے گی، جب تم خود ارادہ کرو گے اور جنت کے راستے پر قدم آگے بڑھاؤ گے۔ اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں رہنے دیا گیا ہے:

يَهْدِيٓ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ ۴۲:۱۳)

اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے، جو اس کی طرف رجوع کرے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهٗ يَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (الفرقان ۲۵:۷۱)

جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے، وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔

وَإِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (طٰہٰ ۲۰:۸۲)

البتہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے اس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ أَذْكُرْكُمْ (البقرہ ۲:۱۵۲)

تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا۔

أَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ ۲:۴۰)

میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا، اسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا، اسے میں پورا کروں۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم ۱۴:۷)

اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا۔

گویا تم ارادہ اور عمل کرو گے، تو ساری بشارتیں اور وعدے اس کے ساتھ مشروط ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ فرائض ادا کرتا ہے اور یہ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب ہے۔ پھر وہ دوڑ دوڑ کر وہ کام بھی کرتا ہے جو اللہ نے فرض نہیں کیے مگر اسے محبوب ہیں۔ جب بندہ یہ روش اختیار کرتا ہے تو اس کی نگاہ' سماعت' ہاتھ پاؤں سب اللہ کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ لیکن فرائض و نوافل کی ادائیگی تو بہرحال بندے کا کام ہے۔ وہ یہ نہ کرے تو یہ بشارت کیسے نصیب ہو گی؟

ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں' کہ جو اللہ کی طرف ایک بالشت آگے بڑھتا ہے' اللہ اس کی طرف ایک ہاتھ آگے بڑھتے ہیں' یہاں تک کہ جو چلتا ہوا آتا ہے اللہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ تربیت اور جنت کی طرف راہنمائی کے لیے یہ بے پایاں رحمت دیکھو۔ لیکن یہ رحمت بھی اسی کے لیے ہے جو اپنے ارادے اور کوشش سے ایک بالشت تو بڑھے' ایک قدم تو اٹھائے۔ جو کھڑا ہی رہے' لاپروا اور بے نیاز رہے' ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھے ـــــ وہ اس بے پایاں رحمت سے کیا پائے گا۔ شرط تو بندہ کی طرف سے ارادہ اور کوشش کی ہے' باقی تو انتہائی فیاضی کے ساتھ میزبانی اور دست گیری کا ہر سامان موجود ہے۔

صرف ارادہ اور سعی ہی مطلوب ہے

جہاں اس غلط فہمی کی جڑ کاٹ دینا چاہیے کہ تمہارے ارادے اور عمل کے بغیر بھی تمہاری تربیت کا کوئی راستہ ہو سکتا ہے' وہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے' کہ اللہ تعالیٰ کو نہ عمل میں کمال مطلوب ہے' نہ عمل کی تکمیل مطلوب ہے' نہ عمل میں کامیابی مطلوب ہے ـــــ اس لیے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ صرف عمل کے لیے اپنی مقدور بھر کوشش اور سعی مطلوب ہے' جو تمہارے اختیار میں ہے۔ ساری کامیابی' قدر دانی اور اجر و انعام صرف اسی سعی پر عطا کرنے کا وعدہ ہے:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۱۹)

جو آخرت کا خواہش مند ہو، اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے، اور ہو وہ مومن، تو ایسے ہر شخص کی کوشش کو پوری قدر دانی سے نوازا جائے گا۔

یہ آیت، جو قرآن و سنت کی بے شمار تعلیمات پر مشتمل ہے، تربیت کے لیے عمل اور کوشش کے راستے کے بہت سارے فتنوں کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ کبھی تم کو یہ پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ میرا عمل معیار مطلوب سے بہت نیچے ہے، اس میں بہت نقائص اور کمزوریاں ہیں، یہ بھلا کیسے قبول ہو گا۔ کبھی تم کو یہ فکر ہوتی ہے کہ عمل تو ہے لیکن کیفیات نہیں۔ نماز میں خشوع نہیں، دل میں رقت نہیں، آنکھوں میں نمی نہیں۔ کبھی تشویش ہوتی ہے کہ عمل تو ہے لیکن مطلوب نتائج نظر نہیں آتے۔ نماز پڑھتے ہیں، لیکن فحشاء و منکر نہیں چھوٹتے۔ روزہ رکھتے ہیں، مگر تقویٰ حاصل نہیں ہوتا۔ کبھی یہ مایوسی لگ جاتی ہے کہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ دعوت دیتے ہیں، کوشش کر رہے ہیں، قربانیاں دے رہے ہیں۔ مگر لوگ مانتے نہیں، دین غالب نہیں ہوتا، اسلامی ریاست قائم نہیں ہوتی۔ پھر ارادوں کا ضعف، تربیت کی ساری کوششوں کے باوجود بے قابو نفس! بار بار مایوسی ہوتی ہے۔

لیکن اگر یہ یاد رہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی ـــــ جن کی فکر پریشان و مایوس کرتی ہے، اور بالآخر عمل ہی ترک کر دینے کے مقام پر پہنچا دیتی ہے ـــــ تربیت میں کامیابی کے لیے، جنت میں جانے کے لیے شرط نہیں، مطلوب نہیں، تو نہ صرف پریشانی اور مایوسی قابو میں آ جائے گی، بلکہ تم کبھی تباہی کے اس کنارے پر نہیں پہنچو گے کہ کوشش اور عمل ہی ترک کر دو۔

ارادہ

ارادے کا ذکر ہم نے بار بار کیا ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تمہارے اختیار میں ہے۔ یہ تربیت کے لیے شرط ہے۔ یہ تربیت کے لیے بنیادی قوت ہے۔

ارادہ کیا ہے؟

ارادہ محض خواہش کا نام نہیں۔ یہ غلط فہمی بہت عام ہے۔ کہا جاتا ہے: "میں تو بہت چاہتا ہوں کہ فجر کے وقت آنکھ کھل جائے اور نماز وقت پر پڑھ لوں۔ مگر آنکھ ہی نہیں کھلتی"۔ یہ "چاہنا" وقت پر اٹھ کر نماز پڑھنے کے "ارادے" کے مترادف نہیں۔ ذرا سوچو: اگر صبح صبح متعین وقت پر ہوائی جہاز پکڑنا ہو' یا کسی بہت بااثر آدمی سے ملاقات کرنا ہو جس سے اہم حاجت اٹکی ہوئی ہو یا نفع عظیم کی امید ہو' پھر بھی کیا آنکھ نہ کھلے گی' یا اس بات کا کامیاب اہتمام نہ کرو گے کہ آنکھ ضرور کھلے۔ یہ ایک کم درجے کے کام کی عام مثال ہے۔ اسی سے دین کے اور تربیت کے لیے دوسرے ضروری کاموں اور مجاہدوں کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

ارادے میں' مراد کی قدر و قیمت اور ضرورت کا یقین شامل ہوتا ہے' اسے کرنے کی یا حاصل کرنے کی چاہت اور محبت شامل ہوتی ہے' شعوری فیصلہ ہوتا ہے' اور ان سب سے مل کر عزم پیدا ہوتا ہے۔ جب قرآن یریدون وجهه یا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ (الشوریٰ ۴۲:۲۰)' (وہ اللہ کی خوشنودی کا ارادہ کرتے ہیں' چاہتے ہیں یا جو آخرت کی فصل کا ارادہ کرتے ہیں' چاہتے ہیں) کہتا ہے تو وہ ارادے کا لفظ انھی معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

یہ ارادہ کمزور پڑ سکتا ہے' ٹوٹ سکتا ہے' اس کے خلاف آدمی کام کر سکتا ہے' وہ اسے بھول سکتا ہے' لیکن مجموعی طور پر' پہلے قدم پر اور ہمیشہ' رضائے الٰہی' آخرت' جنت اور اپنی تربیت کے لیے یہی ارادہ درکار ہے۔ اور ہر اس کام کے لیے بھی درکار ہے' جو دین کی راہ پر چلنے اور اپنی تربیت کرنے کے لیے ضروری ہو۔ یہ ندامت اور شعوری طور پر رجوع کرنے سے ایک لمحے میں دوبارہ استوار ہو سکتا ہے۔

یہ ارادہ موجود نہ ہو تو تعلیم و تربیت کی بڑی سے بڑی بارش بھی رائیگاں جائے گی۔ یہ موجود ہو' تو تعلیم و تربیت کی معمولی سی پھوار سے بھی لہلہاتی فصل کھڑی ہو جائے گی۔ بلکہ تعلیم و تربیت' وعظ و تلقین اور مطالعہ و درس نہ بھی میسر ہو تو یہ ارادہ خود ہی سب سے زیادہ موثر و کارگر معلم اور مربی ثابت ہوگا۔ یہ صحیح راہیں بھی دکھائے گا' ان راہوں پر

قائم رکھے گا' اور غلط راہوں پر جانے سے بھی روکے گا۔

یہ ارادہ یک سوئی بھی چاہتا ہے اور بالاتری بھی۔ بیک وقت اللہ اور غیراللہ دونوں مقصود نہیں بن سکتے' آخرت اور دنیا دونوں ہدف نہیں بن سکتے۔ تم دو کشتیوں میں سوار ہونا چاہو گے تو کبھی ساحل مراد تک نہ پہنچو گے۔ ہمیشہ ضعف ارادہ اور عزم کی شکست و ریخت کا شکار رہو گے' ڈانواں ڈول رہو گے۔

ارادہ اسی طرح مضبوط اور یک سو ہو سکتا ہے کہ تم ان چیزوں کی انتہائی قدر و قیمت اور اپنے لیے شدید ضرورت پر یقین رکھو جو ارادے کا مقصود ہیں۔ یعنی اللہ اور جنت اور ان کے حصول کے لیے اپنی تربیت۔ ارادہ اتنا ہی مضبوط اور یک سو ہو گا جتنا یہ یقین مضبوط اور یک سو ہو گا۔ یہ یقین اتنا ہی مضبوط ہو گا جتنا اللہ اور جنت کی محبت اور طلب کا جذبہ مضبوط ہو گا' اور پھر اتنا ہی عزم مضبوط ہو گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ سے' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد سے ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرو۔ اسی لیے قرآن میں جنت کا ذکر تفصیل سے اور بار بار ہوا ہے۔ اور اس طرح ہوا ہے کہ وہ ایک زندہ متحرک حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے موجود رہتی ہو۔

ہم یہ پہلے بھی بتا چکے ہیں—— اور پھر بتانا چاہتے ہیں—— کہ عمل و کردار کی اصلاح و تعمیر ایک تدریجی اور وقت طلب کام ہے۔ ارادے کا بننا پلک جھپکتے میں ہو سکتا ہے' اور ہوتا ہے۔ یہ پلک جھپکتے میں ٹوٹ بھی سکتا ہے' لیکن مایوسی کی کوئی بات نہیں: پلک جھپکتے میں واپس بھی آجاتا ہے۔

سعی

ارادہ ہو تو ناگزیر ہے کہ اس کا ظہور عمل میں ہو۔ جس چیز کا ارادہ ہو اس کی طرف قدم نہ اٹھ سکیں تو بھی پیش قدمی کے لیے آمادگی' آرزو اور جستجو کی صورت ہو' کم سے کم دل' نگاہوں' توجہ اور زندگی کا رخ مقصود' ارادہ کی طرف دل کر لینے کی صورت میں ہو۔ چل نہ سکو تو دل چلنے کے لیے بے تاب رہے' آنکھیں منزل پر جمی رہیں' دل منزل کی طرف لپکتا رہے' اور جب ممکن ہو قدم بھی اٹھ اٹھ کر چلیں۔

قرآن مجید نے سعی کی ان ساری صورتوں کی تصویر کھینچی ہے:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا (الانعام ۶:۷۹)

میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا، جس نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (الانعام ۶:۱۶۲)

کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ، قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ (البقرہ ۲:۱۳۱)

اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا: "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا: میں مالک کائنات کا "مسلم" ہو گیا۔

فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (سورۃ الجمعہ ۶۲:۹)

اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

یاد رکھو کہ سعی سے بڑی بڑی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ایک شخص سے خواب میں ایک بزرگ نے کہا کہ صبح سب سے پہلے جس چیز پر نگاہ پڑے، اسے اٹھا کر منہ میں رکھ لینا۔ وہ صبح گھر سے باہر نکلا تو نگاہ ایک پہاڑی پر پڑی۔ اس نے ہمت ہار دی۔ پہاڑی کیسے منہ میں رکھی جا سکتی ہے! بزرگ پھر نمودار ہوئے: چلنا تو شروع کرو۔ اس نے چلنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، پہاڑی چھوٹی ہوتی گئی۔ جب پہاڑی تک پہنچ گیا تو دیکھا کہ وہاں گڑ کی ایک ڈلی تھی۔ اس نے اسے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ دین کے ' تربیت کے ' جن کاموں کو تم مشکل، دشوار اور ناممکن سمجھتے ہو، ان سب کا معاملہ ایسی ہی پہاڑیوں کا ہے۔

یہی سبق اس شخص کے واقعہ سے ملتا ہے، جو رسول اللہؐ نے بیان فرمایا، جس نے ۹۹ قتل کیے تھے۔ وہ ایک عابد کے پاس گیا کہ کیا اب توبہ کی کوئی صورت ہے۔ عابد نے انکار کر دیا۔ اس شخص نے عابد کو بھی قتل کر دیا۔ پھر ایک عالم کے پاس گیا۔ اس نے کہا، ہاں

توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ توبہ کرو۔ لیکن یہ بستی چھوڑ دو' فلاں بستی میں چلے جاؤ جو نیک بستی ہے۔ اس شخص نے توبہ کر کے' نیک بستی کی طرف چلنا شروع کیا۔ راستے میں اسے موت آ گئی۔ اس نے مرتے مرتے اپنا سینہ ہی مطلوب بستی کی طرف آگے بڑھا دیا۔ اب رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا شروع ہو گیا کہ روح کون لے جائے۔ ایک فرشتے نے آ کر فیصلہ دیا کہ فاصلہ ناپ لو' اگر لاش نیک بستی سے قریب ہو تو رحمت کے فرشتے لے جائیں' ورنہ عذاب کے فرشتے۔ اللہ تعالیٰ نے ادھر کی زمین کو حکم دیا کہ پھیل جائے' ادھر کی زمین کو حکم دیا کہ سکڑ جائے۔ اس کے بعد نیک بستی کا فاصلہ ایک بالشت کم نکلا۔ چنانچہ رحمت کے فرشتے اس کی روح لے گئے۔

اس کہانی کے اسباق و اسرار پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن مقصود واضح ہے: نیت صادق ہو' ارادہ مضبوط ہو' اور عمل کے لیے کوشش ہو' تو دیکھو اللہ کی رحمت کس طرح دست گیری کرتی ہے اور منزل مراد تک پہنچا دیتی ہے۔

حرف آخر

بس یاد رکھو' کہ تربیت تمھارے اپنے ارادے اور کوشش سے ہو گی۔ اپنا ارادہ اور کوشش ہو گی تو ہر تربیت مفید ہو گی' اللہ کی بے پایاں رحمت بھی شامل حال ہو گی۔ تم خود اپنی تربیت نہ کرو گے تو کوئی تمھاری مدد نہیں کر سکے گا۔

چلنے' اور چلتے رہنے کے لیے کمر باندھ لو۔ یہی پہلا قدم ہے' یہی آخری قدم ہے۔

✿